تاریخ نویسی اور اردو سوانحی ادب

عذرا وقار

سینئر ریسرچ فیلو' قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت' اسلام آباد

مورخین کسی ملک کے معاشرتی حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے اکثر سوانحی ادب سے استفادہ کرتے ہیں کیوں کہ جب کسی کی زندگی کی کہانی لکھی جاتی ہے تو اس شخصیت کے دور پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ کسی کی زندگی کی کہانی سننے کا لوگوں کو ہمیشہ اشتیاق رہا ہے۔ یہ خواہ کسی کی اپنی کہانی ہو یا کسی دوسرے کی' شرط یہ ہے کہ اس میں دوسروں کی دلچسپی کا سامان' سادگی' بے ساختگی' جذبات و احساسات کی ترجمانی واقعات و مناظر کی تصویر کشی ہو اور بھولی بسری یادوں اور مٹے ہوئے نقوش کو اجاگر کیا گیا ہو۔ کہانی سنانے والا زمانے کا مزاج شناس ہو' اس میں قوت مشاہدہ ہو اور وہ واقعات سے نتائج اخذ کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو اور اس کی یادداشت بھی اچھی ہو۔ ایسی صنف کو جس میں کسی شخصیت کی زندگی کی کہانی بیان کی گئی ہو سوانح عمری کہا جاتا ہے۔ یہ انسانی زندگی کے تجربات' مشاہدات' محسوسات' نظریات اور عقائد کی ایک مربوط داستان ہوتی ہے۔ جسے پڑھ کر کسی شخصیت کی زندگی کے نشیب و فراز معلوم ہوتے ہیں۔ پھر اس شخصیت کی زندگی کے دوران آنے والے اچھے کردار یا خود وہ شخصیت آئندہ نسل کے افراد اور معاشرے کی راہنمائی کرتے ہیں۔ کیوں کہ اچھے انسانی کردار انسانیت کی صحیح اور اعلیٰ قدروں کے محافظ ہوتے ہیں۔

سوانح عمری تاریخی ادب ہی کی ایک صنف ہے۔ تاریخ نویسی میں جہاں ایک قوم یا ملک کے حالات بیان کئے جاتے ہیں وہاں سوانح نگاری میں انفرادیت کا پہلو غالب ہوتا ہے جو کسی ایک شخص کی زندگی پر محیط ہوتی ہے۔ مزید برآں حکومت کے شب و روز کی بجائے یہ عوام کی زندگی کی عکاسی کرتی ہے۔ سوانح نگار کبھی تو دوسروں کی زندگی کی کہانی بیان کرتا ہے اور کبھی اپنی زندگی کی۔ دوسروں کی سوانح نگاری کے وقت بھی سوانح نگار کبھی اکابرین قوم کو موضوع بناتا ہے کبھی ہم عصر دوستوں کو۔ اسی طرح خود نوشت سوانح عمری میں بھی دو طرح سے واقعات کو قلمبند کیا جاتا ہے۔ بعض سوانح نگار تو صرف ان واقعات کو چنتے ہیں جن کو اس کی نظر میں خصوصی اہمیت حاصل ہوتی ہے اور باقی واقعات کو جو دوسروں کی نظر میں خواہ کتنے ہی اہم کیوں نہ ہوں قلم زد کر دیتا ہے۔ لیکن بعض سوانح نگار زندگی کے تمام واقعات کو بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

سوانحی ادب کو جو بات دوسری اصناف سے نمایاں کرتی ہے وہ اس کا تاریخی حیثیت کا حامل ہونا ہے۔ ہر دور اپنی مخصوص تہذیبی اقدار رکھتا ہے۔ اس کے بنیادی خد و خال تو صدیوں کے بعد تبدیل ہوتے ہیں مگر فروعی چیزیں ہر دور اور ہر زمانے میں بدلتی رہتی ہیں جن کی نشاندہی تاریخی کتب نہیں کر سکتیں۔ چنانچہ چھوٹی چھوٹی تفصیلات کے لئے ہمیں سوانح عمریوں سے رجوع کرنا پڑتا ہے اور ان میں درج حقائق کو حوالہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ سوانح نگاری کی ذیل میں ان تمام قابل ذکر شخصیات کی زندگی کی داستان آ جاتی ہے جنہوں نے زندگی کی جدوجہد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا خواہ ان کا تعلق کسی شعبے سے رہا ہو۔ ادیب' شاعر' مورخ' خطیب' سیاست دان سب کی زندگی کی کہانی ایسی ہوتی ہے کہ عام لوگ اسے دلچسپی سے پڑھتے ہیں۔ کیونکہ اس قسم کی شخصیات عام لوگوں کے لئے زندگی کی جدوجہد کی علامت بن جاتی ہیں اور نہ صرف انہیں زندگی کا سبق سکھاتی اور تقلید کے لئے نمونہ پیش کرتی ہیں بلکہ اپنے مسائل کے حل کے لئے انہیں نئی نئی راہیں سجھاتی ہیں۔

اردو زبان میں سوانحی ادب کی ابتداء مذہبی اکابرین کے ملفوظات کے مجموعوں اور تذکروں سے ہوتی ہے۔ چونکہ اردو زبان فارسی زبان کے گہرے اثرات لئے ہوئے ہے' ملفوظات اور تذکروں کی روایت بھی فارسی ہی سے اردو میں منتقل ہوئی ہے۔ مشرقی زبانوں میں تنقید اور تجزیئے کی ابتداء دیر سے ہوئی۔ اس باب میں مغربی زبانوں کو

اولیت حاصل ہے لیکن تذکرہ نگاری کا دستور یہاں شروع سے رہا ہے ۔ پھر ان زبانوں کے ادب کی تاریخ مرتب کرتے ہوئے بھی تذکرے ہی لکھے جاتے تھے جن میں مشاہیر ادب کے حالات زندگی ملتے ہیں اور ان کے شعروں کے چند نمونے ۔ ان تذکروں میں تجزیاتی عنصر کم ہوتا ہے ۔ سوانحی ادب کو ان ملفوظات اور تذکروں سے بڑا فائدہ پہنچا ۔ متعدد ادیبوں نے اردو شاعروں کے تذکرے لکھے ۔ مثلاً میر تقی میر کا نکات الشعراء ' میر حسن کا تذکرہ اردو شعراء اور مصحفی کا تذکرہ ہندی ' اگرچہ یہ ابتدائی تذکرے فارسی زبان میں تھے لیکن اردو زبان کے قبولیت عامہ حاصل کرنے کے بعد اردو میں ہی تذکرے لکھے جانے لگے ۔ محمد حسین آزاد کا " تذکرہ آب حیات " اور ابوالکلام آزاد کا " تذکرہ " مشہور تذکرے ہیں ۔

تذکرہ نویسی کے اس ابتدائی دور کے بعد دوسرا دور مقصدی اور افادی سوانحی ادب کا ہے یعنی ان شخصیات کی سوانح عمریاں جو کسی نہ کسی زاویئے سے اپنے اندر قومی تقاضے اور مفادات کے پہلو لئے ہوئے ہوتی ہیں ۔ ان کی داغ بیل ڈالنے میں مولانا الطاف حسین حالی اور شبلی نعمانی کا بڑا دخل ہے ۔ مولانا حالی نے سر سید احمد خان کی زندگی اور کارناموں پر مشتمل مفصل سوانح عمری " حیات جاوید " لکھی ۔ اس سوانح کی زبان سادہ اور رواں ہے اور انداز تحریر بہت دلنشیں ہے ۔ اس میں سر سید اور مسلمانوں کے لئے درد دل اور خلوص سے بات کی گئی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ان پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ انہوں نے سرسید کی بے جا تعریف کی ہے اور ان کی ہر بات میں خلوص اور سچائی کا عنصر تلاش کرنے کی کوشش کی ہے ۔ چونکہ حالی کے سامنے سوانحی ادب کے نمونے وہی تھے جو مذہبی شخصیات کے بارے میں تھے اور جن کا مقصد یہی ہوتا تھا کہ لوگوں کو ایک ایسا نمونہ پیش کیا جائے جو قوم کی مشکلات میں رہبری کر سکے ۔ اس لئے حالی اس تبلیغی مقصد سے کاملا آزاد نہ ہوئے تھے اور انکی اس سوانح میں تنقیدی عنصر کی کمی کا احساس ہوتا ہے ۔ جبکہ انگریزی سوانحی ادب میں تنقید کا عنصر غالب ہوتا ہے ۔ شبلی نعمانی نے خود سوانح نگاری میں ایک اعلیٰ معیار قائم کیا ۔ انہوں نے " سیرت النبی " کی تصنیف کی جس کے دیباچے میں لکھتے ہیں ۔ " علوم و فنون کی صنف میں سیرت (بیاگرفی) کا ایک خاص درجہ ہے ۔ ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کے حالات زندگی بھی حقیقت شناسی اور عبرت پذیری کے لئے دلیل راہ ہیں ۔ " (۱) انہوں نے " سیرت النبی " کے علاوہ بہت سی سوانح مثلاً " الفاروق " ' " المامون " اور " سیرت النعمان " لکھیں اور اپنے سامنے مغربی اصول سوانح نگاری رکھے ۔ اسی لئے انہوں نے حالی کی " حیات سعدی " ' " یادگار غالب " اور " حیات جاوید " کو تنقید کا نشانہ بنایا ۔ ان کا کہنا تھا کہ مولانا حالی نے یہ سوانح تنقیدی نقطہ نظر سے نہیں لکھے ۔ ان کی اس رائے کے باوجود اردو سوانح نگاری میں مولانا حالی کا اپنا ایک مقام ہے اور " حیات جاوید " کو اس لحاظ سے حالی کے اسلوب کا شاہکار کہا جا سکتا ہے کہ اس میں ان کے قلم نے بڑی ہمہ گیری ' قدرت اور وسعت تصرف کا ثبوت پیش کیا ہے (۲) ۔

شیخ محمد اکرام " یادگار شبلی " کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ حالی نے " حیات جاوید " میں سر سید کی جس طرح ہمدردانہ ترجمانی کی ہے شبلی نے اس پر جا بجا اعتراض کیا ۔ وہ اسے " مدلل مداحی " کہتے تھے اور ایشیائی قصیدہ نویسی کی قسم قرار دیتے تھے ' لیکن ہمدردانہ مطالعہ کے بغیر صاحب سیرت کا نقطہ نظر سمجھنا مشکل ہے جو سیرت نگاری کے لئے ضروری ہے ۔ ایک مورخ کی طرح ایک سیرت نگار بھی واقعات کا پابند ہوتا ہے (۳) ۔ شبلی کے شاگرد سید سلیمان ندوی نے شبلی کے معیار " سیرت النبی " کو برقرار رکھا اور " رحمت عالم " لکھی ۔ اس کے علاوہ " حیات شبلی " ' " حیات مالک " ' " سیرت عائشہ " اور " عمر خیام " تصنیف کیں ور اصل شبلی نعمانی کی " سیرت النبی " کا زیادہ کام بھی سید سلیمان ندوی نے ہی کیا اور خود " رحمت عالم " میں بھی انہوں نے " سیرت النبی " کا ایک نیا تصور پیش کیا ۔ یعنی سیرت نبوی کے دائرے میں چند تاریخی واقعات و سوانح ہی نہیں آتے بلکہ سارا قرآن آتا ہے ' ساری تعلیمات آتی ہیں ۔ فرامین و عقائد ' معاملات ' عبادات ' انداز زیست ' حتیٰ کہ حضورؐ سے کچھ تعلق رکھنے والے ان رفقاء کے سوانح حیات بھی آ جاتے ہیں جو حضور کے زیر تربیت رہے ۔ غرض وہ ساری زندگی اور فکر زندگی اور اس سے تعلق رکھنے والی ہر بات جو حضورؐ سے کچھ بھی واسطہ رکھتی ہو سیرت النبی کے زمرے میں آتی ہے ۔ سیرت النبی کے سلسلے میں بہت سے مصنّفین کا نام آتا ہے ۔ جیسے شبلی کی تصنیف سے پیشتر سرسید احمد خان ' عبدالحلیم شرر ' شاہ سلیمان پھلواروی ' قاضی سلیمان منصور پوری ۔ بعد ازاں مولانا عبدالروف قادری ' مولانا مناظراحسن گیلانی ' غلام احمد پرویز ' مولانا ابوالاعلیٰ مودودی ' مولانا اشرف علی تھانوی ' مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی اور بے شمار دوسرے (۴) ۔

پھر اردو سوانحی ادب میں نیا تجربہ کیا گیا جو مغرب میں مدتوں پہلے

ہو چکا تھا ۔ یہ ناول کے انداز میں سوانح نگاری تھی جس کی ابتدائی صورت عبدالحلیم شرر کے ناولوں میں نظر آتی ہے ۔ بعد میں اسے ماہرالقادری اور عشرت رحمانی نے اپنایا ۔ انہوں نے " آنحضرت " " عمر خیام " " غالب " " آغا حشر " اور لیاقت علی خان کی سوانح عمریاں لکھیں (۵) ۔ نسیم حجازی اور ایم اسلم نے مسلمان شخصیتوں کی زندگی پر مبنی بے شمار تاریخی ناول لکھے جن میں مذہبی اور فوجی شخصیات شامل ہیں ۔ اس طرز کے ناول کی ایک مثال جمیلہ ہاشمی کا " دشت سوس " اور قرۃ العین حیدر کا " کارجہاں دراز ہے " جمیلہ ہاشمی کا ناول منصور حلاج کی زندگی پر مبنی ہے اور قرۃ العین حیدر نے اپنے آباؤ اجداد کی بر صغیر میں آمد سے لے کر موجودہ زمانے تک کے حالات درج کئے ہیں ۔

ان کے علاوہ متعدد شخصیات کی آپ بیتیاں اخبارات و رسائل میں شائع ہوتی رہی ہیں ، ان میں مولانا وقار انبالوی مرحوم ، م ش (میاں محمد شفیع) ، اے حمید اور بیگم سلمی تصدق حسین شامل ہیں ۔

تذکروں اور ملفوظات کی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے بعد میں اکابرین کی سوانح لکھی گئیں ۔ مناظر احسن گیلانی نے " سوانح قاسمی " (مولانا محمد قاسم نانوتوی) اور " امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی " ، سید ابوالحسن ندوی نے " سیرت سید احمد شہید " ، مولانا رحیم بخش دہلوی نے " حیات ولی " (شاہ ولی اللہ) اور " حیات عزیزی " (شاہ عبدالعزیز) سید اصغر حسین نے " حیات شیخ الہند " (مولانا محمود حسن دیوبندی) سیدہ اشرف ظفر نے امیر کبیر سید علی ہمدانی ، محمد سرور نے " افادات و ملفوظات مولانا عبیداللہ سندھی " ، منشی عبدالرحمان نے " سیرت اشرف " (اشرف علی تھانوی) ، شاہد حسین رزاقی نے " سید جمال الدین افغانی " لکھیں ۔ اکابرین کی سیرت و سوانح کا تحفظ اس لئے ضروری سمجھا جاتا ہے کہ یہ اپنے ذاتی کمالات و اوصاف کے ساتھ کوئی خاص نصب العین اور نظریہ لے کر اٹھتے ہیں اور اپنی دعوت و راہنمائی سے کسی قوم کا مرکز و مدار قرار پا جاتے ہیں ۔ ایسی شخصیتوں کی زندگی کا دنیا کے سامنے پیش کیا جانا محض اس لئے ضروری نہیں ہوتا کہ ان کے کارنامے زندہ رہیں بلکہ اس لئے کہ ان کی زندگی کے نصب العین سے قوت حاصل کر کے قومیں زندہ رہیں ۔ (٦) ان ہستیوں کی سیرت نگاری سے سوانح نگار کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کے سچے تمدنی و ملکی حالات ، عملی ترقیوں پر عام طور پر واقفیت حاصل ہو اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی سمجھ لیا جائے کہ شان تاریخ کیا ہے ۔ (۷)

سوانحی عمری کی ایک شاخ خود نوشت سوانح عمری یا آپ بیتی ہے ۔ آپ بیتی مختصر بھی لکھی گئی ہے اور مفصل بھی ۔ ان میں سیاسی شخصیات کی آپ بیتیاں بھی ہیں اور شعراء ادباء کی بھی ۔ مثلاً محمد جعفر کا " کالا پانی " ، حسرت موہانی کی " قید فرنگ " ، چودہری افضل حق کی " میرا افسانہ " ، " دوزخ " ، سر سید رضا علی کی " اعمال نامہ " ، حکیم احمد شجاع کی " خون بہا " ، دیوان سنگھ مفتون کی " ناقابل فراموش " ، عبدالماجد دریا بادی کی " آپ بیتی " ، مولوی محمد سعید کی " آہنگ بازگشت " ، نواب محمد یامین خان کی " نامہ اعمال " ، میاں امیرالدین کی " یاد امیر " ، فقیر وحید الدین کی " انجمن " ، سر ظفر اللہ خان کی " تحدیث نعمت " ، عبدالمجید سالک کی " سرگذشت " ، گوپال متل کی " لاہور کا جو ذکر کیا " ، جوش ملیح آبادی کی یادوں کی بارات ، شیخ عبداللہ کی " آتش چنار " ، چودہری غلام عباس کی " کشمکش " ، احسان دانش کی " جہان دانش " ، ظفر الحسن کی " ذکر یار چلے " ، سردار محمد ابراہیم کی " متاع زندگی " ، رشید احمد صدیقی کی " آپ بیتی " اور " آشفتہ بیانی میری " ، خان عبدالغفار خان کی " آپ بیتی " سید عبداللہ شاہ کی " میری داستان " ، قدرت اللہ شہاب کی " شہاب نامہ " ، شورش کاشمیری کی " بوئے گل نالہ دل " اور " پس دیوار زنداں " اور رسالہ " نقوش " اور " سیارہ ڈائجسٹ " کے آپ بیتی نمبر شامل ہیں ۔

اہم تاریخی شخصیات کی آپ بیتیوں میں مولانا جعفر کا " کالا پانی " ہے ۔ جس میں مولانا نے برطانوی حکومت کی طرف سے اپنی جلاوطنی کے دور کا پورا نقشہ کھینچا ہے ۔ یہ آپ بیتی انہوں نے ۱۸۷۹ء میں لکھی ۔ اس میں جزائر انڈیمان کے حالات میں لکھا " جب ہم جزیرے میں پہنچے ہزاروں مرد عورت قیدیوں کو دیکھا کہ ماتھا ان کا کھود کر پیشانی پر ان کا نام اور جرم اور لفظ دائم الحبس لکھا ہوا ہے کہ وہ مثل نوشتہ ء تقدیر کے تمام عمر نہیں مٹتی ۔ مگر یہ تائید الہی سنئے کہ ہمارے پہنچنے سے کچھ عرصہ پہلے وہ حکم ماتھا کھودنے کا تمام عملداری سرکار سے ہمیشہ کے واسطے موقوف ہو گیا تھا (۸) ۔

آپ بیتی لکھنے میں دوسروں کی سوانح نگاری کے مقابلے میں دو رکاوٹیں ہوتی ہیں ایک تو دوسروں کا خوف اور دوسرے اپنی محبت ۔ ایک اچھا سوانح نگار اپنے ممدوح کا جج تو بن سکتا ہے لیکن خود نوشت سوانح نگاری میں یہ کام مشکل ہے ۔ آپ بیتی اپنی یادداشت کے اظہار اور کسی دوسرے سوانح نگار کے لئے اچھا مواد ثابت ہوتی ہے کیونکہ اس میں سوانح نگار کے اپنے فن ، فکر اور کارناموں کے ارتقاء و اسباب

پر مستند مواد موجود ہوتا ہے ۔ جہاں خود نوشت سوانح عمری تاثراتی ہوتی ہے وہاں کسی دوسرے شخص کی سوانح عمری میں مصنف اپنے مواد سے تجاوز نہیں کر سکتا ۔ خود نوشت آپ بیتی میں مواد خود لکھنے والے کے اندر سے نکلتا ہے ۔ اسے تحقیق کی ضرورت نہیں پڑتی وہ اپنی تحریر کے ذریعے اپنے افکار و اعمال کو دہراتا ہے اور اپنی ذات کو سمجھتا ہے ۔ شیخ محمد عبداللہ نے اپنی خود نوشت سوانح عمری " آتش چنار " کو اپنی زندگی کی کہانی کے ساتھ ساتھ اپنے نقطہ نظر سے کشمیر کی جدوجہد آزادی کی تاریخ بنا ڈالا ہے ۔ " میں ذاتی طور پر ایک ناچیز بندہ ہوں ۔ مگر قدرت نے مجھے ایک تقدیر ساز اور انقلاب آفریں تحریک کی ساربانی اور حدی خوانی کا شرف عطا فرمایا ۔ اس لحاظ سے میری کہانی میرے عہد میں کشمیر کی آپ بیتی بن جاتی ہے ۔ (۹) ۔ "

سوانح نگار آپ بیتی لکھتے ہوئے جب اپنی ذاتی زندگی کا احوال بیان کرتا ہے تو اس دور کے معاشرے کا نقشہ کھینچ کر رکھ دیتا ہے ۔ " پرانے زمانے میں ذاتی کلچر کے تین لوازم سمجھے جاتے تھے ۔ طب ، خوش نویسی اور شاعری ۔ کوئی شخص عالم اور شائستہ نہ سمجھا جاتا تھا جب تک اس میں کسی نہ کسی حد تک یہ تینوں نہ پائی جاتی ہوں ۔ داوا علم وفضل کے علاوہ ان تینوں چیزوں کے بھی ماہر تھے ۔ خط اتنا پاکیزہ تھا کہ کوئی بڑے سے بڑا پیشہ ور خوشنویس بھی انکا مقابلہ نہ کر سکتا تھا ۔ شعر بھی کہتے تھے اور طب میں خاص دستگاہ رکھتے تھے " ... " غالباً میری عمر گیارہ برس کی ہو گی کہ مجھے والد اپنے ساتھ انجمن حمایت اسلام کے اجلاس میں لے گئے " ... " انجمن حمایت اسلام کے سالانہ اجلاس کو مسلمان اپنا سب سے بڑا قومی میلہ سمجھتے تھے اور اپنے بچوں کو بھی اس جلسے میں لے جایا کرتے تھے تاکہ بزرگان قوم کے خیالات آغاز ہی سے ان کے کانوں میں پڑ جائیں ۔ (۱۰) ۔

سیاسی شخصیات کے علاوہ کئی دیگر اصحاب نے بھی اپنی آپ بیتیاں لکھیں ۔ ان میں شاعر و ادیب حضرات بھی شامل ہیں ۔ ان میں جوش ملیح آبادی کی آپ بیتی " یادوں کی برات " ، مزدور شاعر احسان دانش کی کتاب " جہان دانش " مشہور ہیں ۔ " یادوں کی برات " مغربی انداز میں روسو کی آپ بیتی " اعترافات " کے طرز پر لکھی گئی ہے جس میں انہوں نے اپنی زندگی کے تمام واقعات من و عن بیان کر دیئے ہیں ۔ احسان دانش اپنی آپ بیتی میں لکھتے ہیں " میں نے جب بھی اپنے ماضی کا دریچہ کھولا ہے میرے سامنے حادثات کے سینکڑوں آئینے چمچمانے لگے ۔ یہی نہیں بلکہ میرے زخمی اور مدفون لمحے مسافت کی دھول سے گردنیں اٹھا اٹھا کر مجھ سے مخاطب ہوئے " (۱۱) ۔ آپ بیتی لکھنے والا اس طرح گذشتہ ماہ و سال کے قافلے سے شناسا کرداروں کو مرکز کی طرف موڑ لاتا ہے اور اپنی سادہ کاری سے موقع و محل کے مطابق نواگری سے آہنگ کو جنم دیتا ہے ۔

آپ بیتی لکھنے والا سوانح نگار جو کچھ لکھتا ہے اس سلسلے میں اس کی اپنی شہادت موجود ہوتی ہے لیکن یہ بات بھی قابل غور ہے کہ خود اپنا ذکر کرتے ہوئے انسان عموماً انکسار یا افتخار سے خود پوشی یا خود نمائی سے کام لیتا ہے اور اصلیت کو گھٹا کر یا بڑھا کر بیان کرتا ہے ۔ جہاں اپنی سوانح بیان کرتے ہوئے وہ اپنی ذات کو چھپاتا ہے وہاں دوسروں کا ذکر کرتے وقت سوانح نگار غیر شعوری طور پر اپنی اصلی حالت ظاہر کر دیتا ہے ، یعنی وہ کن لوگوں کو پسند کرتا ہے اور ان کی کون سی صفات اسے کس حد تک متاثر کرتی ہیں ۔ یوں سوانح نگاری میں خود سوانح نگار کی شخصیت کی جھلکیاں بھی نظر آ جاتی ہیں ۔ مولوی عبدالحق کی خاکوں کی کتاب " چند ہم عصر " کے بارے میں ڈاکٹر سید معین الرحمٰن لکھتے ہیں کہ اس میں عبدالحق کی اپنی ذات و صفات سے بے اختیارانہ حجاب اٹھتے ہیں ۔ اس میں ہمیں قدم قدم پر مولوی عبدالحق کی سیرت و شخصیت کی جھلکیاں اور پرچھائیاں ملتی ہیں ۔ اس میں انہوں نے اپنے چند ہم عصروں اور ہم نشینوں کی سیرت و کردار کے جو خاکے اور نقشے تیار کئے ہیں ان میں خود مولوی صاحب کے اپنے رنگ طبیعت کا مشاہدہ کرنا زیادہ مشکل نہیں (۱۲) ۔ اسی لئے ضروری ہے کہ آپ بیتی سے حوالہ جات لیتے ہوئے احتیاط سے کام لیا جائے اور اس کا دوسرے ذرائع سے بھی موازنہ کر لیا جائے ۔

آپ بیتی کی ایک صورت مکاتیب نگاری ہے ۔ خط و کتابت ایک فطری اور بے تکلف طریقہ ء اظہار ہے جس میں انسان اپنے خیالات کو سیدھے سچے طریقے سے ظاہر کرتا ہے ۔ اردو میں سب سے پر لطف خط مرزا غالب نے لکھے ہیں ۔ ان خطوط کو ایک خاص طریقے سے پڑھا جائے تو مرزا غالب کے حالات زندگی کے مختلف ابواب بن جاتے ہیں ۔ ان کے علاوہ ابوالکلام آزاد کے خطوط " غبار خاطر " اور " مکتوبات نیاز فتح پوری " اہم مجموعے ہیں ۔ شورش کاشمیری کے خطوط " شورش بنام عبداللہ ملک " بھی خطوط کا ایک مجموعہ ہے ۔ جن میں ان کے لکھنے والوں کے حالات اور افکار کی جھلکیاں ملتی ہیں ۔

آپ بیتی کی ایک قسم روزنامچہ نویسی ہے اس میں نہ صرف لکھنے

والے کے حالات زندگی معلوم ہوتے ہیں بلکہ اس کے پورے عہد پر روشنی پڑتی ہے ۔ مولانا عبیداللہ سندھی کی " ذاتی ڈائری " اور خواجہ حسن نظامی کے " روز نامچے " مشہور ہیں (۱۳) ۔

بیسویں صدی کے شروع میں سوانح نگاری میں جس صنف نے زیادہ مقبولیت حاصل کی ' ان میں قلمی خاکے اور شخصیات کی جھلکیاں یا چہرہ نگاری شامل ہیں ۔ قلمی خاکے نجی مشاہدے ' مزاتی تاثرات اور شخصیت کی مزاجی کیفیات و بیرونی حالات کے امتزاج سے تیار کئے جاتے ہیں ۔ ان میں ۔ (۱۴) ۔ مولوی عبدالحق کی " چند ہم عصر " ' شوکت تھانوی کی " شیش محل " اور " قاعدہ بے قاعدہ " ' چراغ حسن حسرت کی " مردم دیدہ " ' سید سلیمان ندوی کی " یاد رفتگان " ' رشید احمد صدیقی کی " گنج ہائے گراں مایہ " ' اور " ہم نفسان رفتہ " ' سعادت حسن منٹو کی " گنجے فرشتے " ' شاہد احمد دہلوی کی " اجڑا دیار " اور " گنجینہ گوہر " ' عبدالمجید سالک کی " یاران کہن " ' مولانا عبدالماجد دریا بادی کی " معاصرین " ' عاشق حسین بٹالوی کی " چند یادیں چند تاثرات " ' محی الدین قادری زور کی " چند شخصیتیں چند تاثرات " ' الطاف علی بریلوی کی " چند محسن چند دوست " ' اے حمید کی " سنگ دوست " ' محمد طفیل کی " آپ " " جناب " " صاحب " " مکرم " " معظم " محمد ایوب قادری کی " کاروان رفتہ " نصراللہ خان کی " کیا قافلہ جاتا ہے " ' ماہرالقادری کی " یاد رفتگان " ' شورش کاشمیری کی " نورتن " ' ممتاز مفتی کی " پیاز کے چھلکے اور اوکھے لوگ " فارغ بخاری کی " البم اور دوسرا البم " ' رحیم گل کی " پورٹریٹ " ' رفیق ڈوگر کی " چالیس چہرے " ' ستار طاہر کی " تعزیت نامے " ' خالد اطہر کی " زندہ لوگ " شامل ہیں ۔ دراصل سوانحی خاکے اور سوانح عمری میں عموماً یہ فرق سمجھا جاتا ہے کہ سوانح عمری طویل اور خاکہ مختصر ہوتا ہے ۔ مثلاً خالد نظیر صوفی نے علامہ اقبال کی سوانح عمری " اقبال درون خانہ " اور کوثر نیازی نے ذوالفقار علی بھٹو کی سوانح عمری " دیدہ ور " ' محمد سرفراز خان نے " علامہ مشرقی کے سوانح حیات " ' ڈاکٹر ایوب مرزا نے فیض احمد فیض کے سوانح " ہم کہ ٹھہرے اجنبی " اور بانو قدسیہ نے قدرت اللہ شہاب کے سوانح " ذکر شہاب " لکھے ۔ یہ خاکوں کے مقابلے میں طویل ہیں ۔ دراصل یہ معاملہ صرف طوالت اور اختصار کا نہیں موضوع کے برتنے کا ہے ۔ سوانح عمری ماہ و سال کے آئینے میں کسی فرد کی پوری زندگی کا احاطہ کرتی ہے جبکہ شخصی خاکہ صرف اس کی شخصیت کو بے نقاب کرتا ہے ۔ پھر سوانح عمری لکھنے کے لئے ضروری نہیں کہ لکھنے والا اپنے موضوع سے ذاتی طور پر واقف ہو جبکہ شخصی خاکے کے لئے یہ ضروری ہے ۔ مثلاً مولوی عبدالحق نے " چند ہم عصر " میں مولانا حالی کا خاکہ یوں کھینچا ہے " مجھے اپنے زمانے کے بعض نامور اصحاب سے اور اپنی قوم کے اکثر بڑے بڑے شخصوں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے ۔ مولانا حالی جیسا پاک سیرت اور فضائل کا بزرگ مجھے ابھی تک نہیں ملا " (۱۵) ۔

سوانحی ادب کا جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ سوانح نگاری خواہ کسی دوسرے کی زندگی پر مبنی ہو یا آپ بیتی ' یہ خاکے ہوں کہ مکتوب نگاری ' ڈائری یا روزنامچے ۔ سب کے سب اپنے عہد کی تصویر پیش کرتے ہیں اور کسی بھی عہد کی تصویر دیکھ کر ہم اس کے مدہم اور نمایاں نقوش سے بہت سے حالات و واقعات کے سلسلے میں نتائج اخذ کر سکتے ہیں ۔ مورخین کے لئے اس بیش قیمت سرمائے کو نظر انداز کرنا مشکل ہے اور اس سے فائدہ اٹھانا بے حد مفید ثابت ہو سکتا ہے ۔

حوالہ جات

۱ ○ شبلی نعمانی ۔ " سیرت النبی " جلد اول ' کراچی ' ۱۹۷۳ء ' ص ۵
۲ ○ " تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند " ۔ دسویں جلد (۱۹۱۴ ۔ ۱۹۷۲) لاہور ۱۹۷۲ ص ' ۶۰۳ ' ۶۰۹
۳ ○ شیخ محمد اکرام ۔ " یادگار شبلی " ' لاہور ۱۹۷۱ء ' ص ۶
۴ ○ مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی ۔ " پیغمبر انسانیت " ' لاہور ' ص ۳۲ '
۵ ○ سید عبداللہ ۔ دیباچہ ' " حیات جاوید " ' از مولانا حالی ' کراچی ' ۱۹۸۱ء
۶ ○ مولانا سید مناظر احسن گیلانی ۔ " سوانح قاسمی " ' لاہور ' ت ن ' ۲۱ جلد اول ص ۱
۷ ○ مولانا رحیم بخش دہلوی ' " حیات ولی " ' لاہور ' ۱۹۷۲ء ' ص ۲۱ جلد اول '
۸ ○ مولانا محمد جعفر تھانیسری ' " کالا پانی " ' لاہور ' ۱۹۷۲ء ' ص ۱۶۱
۹ ○ شیخ محمد عبداللہ " آتش چنار " ' لاہور ' ۱۹۸۵ ص ۸۸۶ ' ۸۸۷
۱۰ ○ عبدالمجید سالک ۔ " سرگذشت " ' لاہور ۱۹۶۶ء ' اشاعت دوئم ' ص ۱۶ ۔ ۲۰ ۔ ۲۱
۱۱ ○ احسان دانش ۔ " جہان دانش " ' لاہور ' ۱۹۷۳ء ' ص ۱۱ ۔ ۱۲
۱۲ ○ ڈاکٹر سید معین الرحمٰن ۔ " ذکر عبدالحق " ' لاہور ۱۹۸۵ء ' ص ۱۱۹
۱۳ ○ " نقوش " لاہور ۔ آپ بیتی نمبر ' ص ۴۲ ۔ ۴۳
۱۴ ○ تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند ' حوالہ سابقہ
۱۵ ○ مولانا عبدالحق ۔ " چند ہم عصر " ' لاہور ' ۱۹۷۲ء ' ص ۱۶۱